OPEN ACCESS
Al-Qamar
ISSN (Online): 2664-4398
ISSN (Print): 2664-438X
www.alqamarjournal.com

عصری اردو تفاسیر میں سائنسی اسلوبِ کی دعوتی اہمیت

Da'wah Importance of Scientific Style in Modern Urdu *Tafasīr*

Dr. Asjad Ali

Assistant Professor Islamic Thought and Civilization, University of Management and Technology, Sialkot

Dr. Abdul Aleem

Associate Professor Govt. Jinah Islamia College, Sialkot

Abstract

Praise be to Allah. There are a large number of commentaries in Urdu commentaries that illustrate the scientific style of the Quran. In the Quran, Allah Almighty has encouraged people to look, think and examine in a scientific manner and has given the ability to solve all the problems. He also invited us to analyze in such a way that the questions that arise in the human mind can be answered and satisfaction can be obtained. For this, Allah Almighty says, "Who created the things of the universe?" Who is their creator? Along with this, there is also the matter of analyzing and examining in the Qur'an what was the fate of those who obeyed and disobeyed Allah Almighty, i.e. those who believe in Allah and disobedient are not equal because the destruction of the disobedient is in front of everyone. Therefore, a beautiful method of calling people to the Day of Judgment, which is called the scientific style, has made it possible for those who have intellect and wisdom to accept the message of truth. This is the miracle of the Quran.

Keywords: *Tafasīr*, Science, Methods, Da'wah

تمہید

اللہ تعالیٰ کی پہچان اور حاکمیت کا ادارک کرنے کے لیے زمین و آسمان کی تخلیق اور اس میں موجود مخلوقات ہیں ان پر غور و فکر کرنا اس لیے بھی ضروری ہے کہ انسان مشاہداتی حقیقت کا انکار نہیں کر سکتا۔ اس وقت پوری دنیا میں سائنس اور ٹیکنالوجی کی

CC BY

بات ہو رہی ہے۔ ہر انسان سائنسی تعلیمات وتحقیقات پر زیادہ یقین رکھتا ہے اور قرآنی تعلیمات کو سائنسی سانچے میں دیکھتا ہے ،بالفاظ دیگر مشاہدہ، تجزیہ اور تجربہ سے حاصل ہونے ولے نتائج پر فیصلہ کرتا ہے۔یہ بات تو طے ہے کہ قرآن کتاب ہدایت ہے نہ کے کوئی سائنس کی کتاب لیکن مشاہدات وتجربات کی طرف رہنمائی ضرور کرتی ہے۔قرآن کریم کی اس حقیقت کو بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر ذاکر نائیک(1965ء)لکھتے ہیں کہ:"قرآن پاک سائنس کی ایک کتاب نہیں ہے بلکہ آیات کی ایک کتاب ہے۔اس کتاب میں چھ ہزار سے زائد آیات ہیں اور ان میں سے ایک ہزار سے زائد کا تعلق سائنس سے ہے۔[1]"مفسرین نے قرآن کے ان پہلوؤں کو سائنسی انداز میں بیان کرکے دین کی دعوت پیش کی ہے۔تاکہ قرآن کی حقانیت ایسے لوگوں پر بھی واضح ہو جائے جو ہر بات کو تجربہ ومشاہدہ کی بنیاد پر قبول کرتے ہیں۔ذیل میں ان اسلوب دعوت کا ذکر کیا جاتا ہے جو سائنسی تفاسیر میں اختیار کیے گئے ہیں۔

1۔مشاہداتی اسلوب

سائنسی اسلوب میں سب سے پہلا مرحلہ مشاہدہ کا ہے جس میں کسی بھی معاملہ سے متعلق معلومات اکٹھی کی جاتی ہیں اور بغور مشاہدہ سے ہی کچھ باتوں کو طے کر لیا جاتا ہے۔جیسے توحید کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:"لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِـهَةٌ اِلَّا اللّـٰهُ لَفَسَدَتَا۔[2]"(اگر ان دونوں میں اللہ کے سوا کوئی اور معبود ہوتے تو وہ دونوں ضرور بگڑ جاتے)اس آیت میں مشاہدہ ہی کی ترغیب ہے اور اسی سے توحید الہیٰ کی بڑی دلیل حاصل ہو جاتی ہے،اور مشاہدہ سے واضح ہو جاتا ہے کہ کسی بھی ادارہ کے ایک سے زیادہ سربراہ بنا دیے جائیں تو اس سے نظام کی تباہی ہے لہذا سائنسی معاملات میں بعض اوقات مشاہدہ سے مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔جیسے اللہ کی شان وحدہ لاشریک کسی کے سامنے رکھنا ہو تا سائنسی اسلوب کے ذریعے بڑی آسانی سے دوسروں کو قائل کیا جاسکتا ہے۔کہ سورج اور چاند کا اپنے اپنے مدار میں رہنا دن اور رات کا خوبصورت اور مضبوط نظام کا کسی بھی خرابی کے بغیر چلنا ایسے مشاہدات ہیں کہ مسئلہ خود ہی حل ہو جاتا ہے۔مولانا مودودیؒ(1979ء۔1903ء)نے مشاہدات کی کئی مثالیں دے کر دعوت دین پیش کی ہے۔جیسے خاندان کے دو سربراہان تصادم کا باعث ہوتے ہیں،اسی طرح کائنات کا نظام چلانے والے ایک سے زیادہ الہٰ ہوتے تو ان میں بھی تصادم لازم تھا،وہ لکھتے ہیں کہ:یہ کس طرح تصوّر کیا جاسکتا ہے کہ بہت سے مطلق العنان فرمانرواؤں کی حکومت میں ایک ضابطہ اس باقاعدگی کے ساتھ چل سکے؟ نظم کا وجود خود ہی ناظم کی وحدت کو مستلزم ہے۔قانون اور ضابطہ کی ہمہ گیری آپ ہی اس بات پر شاہد ہے کہ اختیارات ایک ہی حاکمیت میں مرکوز ہیں،اور وہ حاکمیت مختلف حاکموں میں بٹی ہوئی نہیں ہے۔[3]صاحب تفسیر نے مشاہداتی انداز میں توحید کو بھرپور انداز میں بیان کیا ہے۔صاحب تفسیر کی یہ خوبی پوری تفسیر میں پائی جاتی ہے کہ ان کی ہر بات فکری ودعوتی انداز میں ہوتی ہے جس سے قاری آسانی سے فائدہ اٹھا کر ہدایت کی راہ پر آسکتا ہے۔عبد الماجد دریابادیؒ(1977ء۔1892ء)نے واضح طور پر لکھا ہے کہ خدا ہوتا ہی وہ ہے جو مطلق الارادہ ومطلق الاختیار اور مالک کل ہو،اگر اس کے اختیارات یا اس کی ملک محدود ومقید ہوئی تو وہ خدا نہیں کہلا سکتا۔کیونکہ کہ ایک سے زیادہ خداؤں کی موجودگی میں کسی بھی وقت کسی کو اگر ارادہ ترک کرنا پڑتا ہے یا دوسرے سے مغلوب ہو کر اپنا فیصلہ واپس لینا پڑتا ہے تو اس کے خدا ہونے کا کیا مطلب؟،وہ لکھتے ہیں کہ:"تصادم وتزاحم بہر حال خداؤں کے درمیان ناگزیر ہے۔کائنات کی تنظیم وترتیب کا مشاہدہ خود اس تصادم وتزاحم کی تکذیب کر رہا ہے۔[4]"اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر اس آیت کو دلیل بنا کر عبد السلام بن محمد(1946ء)نے بھی اسی مشاہدہ کی طرف اشارہ کیا ہے کہ کائنات کے نظام کا ایک ترتیب سے چلنا اور اس میں کسی طرح کے فساد کا

نہ ہونا ہی اللہ کی توحید کا ثبوت ہے، وہ لکھتے ہیں کہ: ”زمین و آسمان میں کسی فساد کا نہ ہونا اور پوری کائنات میں زبردست ترتیب اور ہم آہنگی کا ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ ان کا مالک اور انہیں چلانے والا ایک ہی ہے۔[5]“ زمین و آسمان کے نظام کا ہر طرح کے فساد سے پاک ہونا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ خرابی تو ہمیشہ وہاں پیدا ہوتی ہے جہاں ایک ہی کام کو کرنے والے کئی لوگ ہوں، اور جہاں نظام کو چلانے والا ایک ہی منتظم ہو وہاں خرابی پیدا نہیں ہوتی۔ ایک عقل مند انسان اگر اسی بات پر غور وفکر کرے اور اپنی آنکھوں سے اس نظام کا مشاہدہ کرے تو کبھی بھی اس حقیقت سے منہ نہ موڑے۔ اور ایک اللہ کی توحید کو قبول کر لے، جیسے فرمایا:قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَه اٰلِـهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى ذِى الْعَرْشِ سَبِيْلًا۔[6](کہہ دے اگر اس کے ساتھ کچھ اور معبود ہوتے، جیسا کہ یہ کہتے ہیں تو اس وقت وہ عرش والے کی طرف کوئی راستہ ضرور ڈھونڈتے)۔ اس آیت سے پہلے اللہ تعالیٰ نے مشرکین مکہ کے بارے میں یہ بتایا ہے کہ ہم نے انہیں مختلف طریقوں اور دلائل سے دعوت دی ہے لیکن اس کے باوجود وہ ایک اللہ کی توحید کا اقرار کرنے کی بجائے اپنے ہی ہاتھوں سے بنائے ہوئے بتوں کی پوجا کر رہے ہیں اور ان کو اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں۔ جب کہ اللہ تو عرش پر مستوی ہو کر کائنات کا نظام چلا رہا اور اگر اس کے ساتھ کوئی دوسرا شریک ہوتا تو ضرور وہ بھی عرش تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کرتا لیکن ایسا نہیں ہے۔ اسی دلیل کی بنیاد پر عبد السلام بن محمد لکھتے ہیں کہ: ”تم دیکھ رہے ہو کہ اللہ تعالیٰ اس پوری کائنات کا نظام خالص اپنی مرضی سے چلا رہا ہے اور یہ نظام اپنی پوری ہم آہنگی اور تناسب سے چل رہا ہے، تو معلوم ہوا کہ اس کے مقابلے میں تم نے جتنی زندہ یا مردہ ہستیوں کو اپنا معبود بنا رکھا ہے، وہ سب باطل و بے حقیقت چیزیں ہیں۔[7]“ مشاہدات کی بنیاد پر توحید باری تعالیٰ دعوت دیتے ہوئے مولانا مودودیؒ نے بڑے کمال کے ساتھ یہ بات سمجھائی ہے کہ اگر ایک عقل مند انسان اپنی کھلی آنکھوں سے دیکھے کہ کائنات میں ایک گیہوں کا دانہ اور گھاس کا تنکا بھی زمین و آسمان کی طاقت کے بغیر نہیں اگ سکتا۔ پھر یہ قوت دینے والی ایک ہی ذات ہے لیکن جو انسان اس مشاہدہ کے باوجود کائنات میں ایک سے زیادہ خداؤں کا قائل ہے اس سے بڑھ کر جاہل اور کند ذہن اور کون ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ وہ لکھتے ہیں :”جس نے کچھ بھی اس نظام کے مزاج اور طبیعت کو سمجھنے کی کوشش کی ہو وہ تو اس نتیجے پر پہنچے بغیر نہیں رہ سکتا کہ یہاں خدائی بالکل ایک ہی کی ہے اور اس کے ساتھ کسی درجے میں بھی کسی اور کے شریک ہونے کا قطعی امکان نہیں ہے۔[8]“ زمین و آسمان کے نظام پر غور کرنے سے ایک عقل مند انسان اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ اگر کائنات میں ایک سے زیادہ منتظم ہوتے تو ہر ایک کی کوشش ہوتی کہ وہ اس نظام کو اپنے کنٹرول میں لے کر چلائے، اور جب ہر ایک کی یہی کوشش ہوتی تو پھر یہ نظام ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتا جب کہ ایسا نہیں ہے۔ اگر اس نظام کو چلانے والے کئی خدا ہوتے تو اس نظام میں تصادم ہو جاتا، اگر یہ کائنات ہر طرح کے تصادم سے محفوظ ہے تو اسی وجہ سے کہ نظام کائنات صرف ایک ہی ہستی کے ہاتھ میں ہے اور وہ ہستی اللہ کی ذات ہے ۔ اردو تفسیری ادب میں سائنسی رجحان رکھنے والے مفسرین نے انہی آیات کو ایک مشاہداتی انداز میں پیش کیا ہے تا کہ وہ لوگ جو سائنس کا علم رکھنے والے ہیں اور مشاہدات پر یقین رکھتے ہیں وہ اللہ کی وحدانیت کو تسلیم کر لیں۔ کائنات میں مشاہدہ کی دعوت خود قرآنِ کریم دے رہا ہے، فرمایا:قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ بَدَأَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللَّهُ يُنشِئُ النَّشْأَةَ الْآخِرَةَ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔[9](کہہ زمین میں چلو پھرو، پھر دیکھو اس نے کس طرح خلق کی ابتداء کی، پھر اللہ ہی دوسری پیدائش پیدا کرے گا، یقیناً اللہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔)اب انسان اپنی آنکھوں سے یہ مشاہدہ کر سکتا ہے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے کائنات میں موجود چیزیں تخلیق فرمائی ہیں۔ پھر یہ مشاہدہ یہ بھی بتانے میں معاون و

ممد ثابت ہو گا کہ جو طاقت پہلی بار اتنی خوبصورتی سے چیزوں کی تخلیق کر سکتی ہے وہ دوبارہ بھی کرنے پر قادر ہے۔ مولانا مودودیؒ مشاہدہ کائنات سے دوبارہ زندگی کا استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: "جب خدا کی کاریگری سے بار اوّل کی تخلیق کا تم خود مشاہدہ کر رہے ہو تو تمہیں سمجھنا چاہیے کہ اسی خدا کی کاریگری سے بار دیگر بھی تخلیق ہو گی۔[10]" تخلیق کائنات ایک ایسا مشاہدہ ہے جس میں کسی طرح کا شک نہیں تو پھر خالقِ کائنات کے بارے میں شک کیوں؟ جو اس کائنات کو پہلی بار تخلیق کر سکتا ہے وہ دوبارہ بھی کر سکتا ہے۔

2۔ تجزیاتی اسلوب

سائنس کا اسلوب یہ ہے کہ اگر مختلف مشاہدات سے مختلف معلومات حاصل ہوں تو پھر جائزہ لیا جاتا ہے کہ موجود اختلاف میں حقیقی اختلاف ہے یا معلومات کی باہم تطبیق سے ظاہری تعارض حقیقی یکسانیت کو بیان کرتا ہے لہذا تجزیہ سے بھی کئی گتھیاں سلجھ جاتی ہیں۔ جیسے مختلف مشاہدات سے پتہ چلتا ہے کہ پھلوں اور سبزیوں کی اقسام کا گہرا تعلق موسمی تبدیلیوں سے ہے۔ سردیوں والی سبزیاں گرمیوں میں نہیں ہوتیں اور گرمیوں والی سردیوں میں نہیں ہوتیں۔ لیکن جب ان معلومات کا جائزہ لیا جاتا ہے اور بحیثیت مجموعی پھلوں کی انواع کو دیکھا جاتا ہے تو پتہ چلتا ہے کہ یہ سب نظام اللہ تعالی کے اختیار میں ہے۔ اور اللہ نے ہی پھلوں اور سبزیوں کو پورا سال مختلف انواع کے ساتھ مہیا کرنے کے لئے انہیں موسم اور درجہ حرارت کے ساتھ منسوب کر دیا ہے ۔اور تجزیہ سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ گرمیوں والی سبزیاں اگر گرمیوں میں بھی اگائی جائیں تو سب بیج نہیں پھوٹتے جس سے یہ بات مزید واضح ہو جاتی ہے کہ اصل خالق اللہ ہے جسکی کی مرضی کے بغیر نہ تو کوئی پتا زمین پر گرتا ہے اور نہ ہی کوئی بیج پودا بنتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سائنسی اسلوب کا دوسرا مرحلہ تجزیہ بھی ذہنی الجھاؤ کو ختم کر دیتا ہے۔ سورۃ الواقعہ میں اللہ نے تجزیاتی پہلو کے لحاظ سے فرمایا: "ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَه اَمْ نَحْنُ الْخَالِقُوْنَ۔[11] (کیا تم اسے پیدا کرتے ہو، یا ہم ہی پیدا کرنے والے ہیں؟)

حقیقت یہی ہے کہ مختلف مشاہدات کی مختلف معلومات پر بغور تجزیہ بھی ہمیں ایک نکتہ پر مرکوز کر دیتا ہے۔ اس سورہ مبارکہ میں بھی اللہ تعالیٰ نے انسان کو مختلف چیزوں پر غور و فکر کی دعوت دی ہے جنہیں وہ اپنی ذات میں محسوس کرتا ہے اور اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کھیتی کا ذکر کیا کہ انسان تو محض بیج ڈالتا ہے لیکن اس بیج سے صحیح سالم پودا اگانا تو اللہ کی ذات کے ساتھ خاص ہے، اسی طرح انسان جس ایندھن کی مدد سے آگ جلا کر مختلف فوائد حاصل کرتا ہے وہ ایندھن جس درخت سے حاصل کیا گیا ہے اس درخت کو اگانے والا بھی اللہ ہی ہے۔ عبد السلام بن محمد نے ان ساری باتوں پر غور و فکر کرنے اور تجزیہ کرنے کا نتیجہ اور اصل مقصد یہ بتایا ہے کہ ان چیزوں سے عقیدہ توحید و آخرت کا ثابت ہونا ایک قطعی دلیل ہے، لکھتے ہیں: "یہ دلائل محض خیالی یا فلسفی باتیں نہیں بلکہ وہ واقعی اور حقیقی چیزیں ہیں جنہیں آدمی اپنی ذات میں محسوس کرتا ہے۔[12]" مزید لکھتے ہیں: "منی کے قطرے سے انسان کی پیدائش کا قیامت کی دلیل ہونا ایسی بات ہے جس پر غور کرنا ہر شخص پر واجب ہے۔[13]"

صاحب تفسیر نے بچے کی پیدائش کے تمام مراحلہ کی طرف اشارہ کر کے باشعور انسان کو غور و فکر کی دعوت دی کہ کس طرح ایک غلیظ منی کے قطرے سے لے کر پیدا ہونے تک کسی ایسی طاقت کا محتاج ہے جو بغیر کسی آلات و مشین کے اس عمل کو تکمیل تک پہنچاتی ہے۔ یقیناً ایسا انسان ان تمام مراحل کے نتائج پر غور و فکر اور تجزیہ کرنے کے بعد اس حقیقی خالق کی پہچان کر لے گا۔ منی کا وہ قطرہ جو مرد رحم مادر میں ٹپکاتا ہے یہ قطرہ لاکھوں خوردبینی جراثیم پر مشتمل ہوتا ہے اور ان لاکھوں جراثیم میں سے

صرف ایک جرثومہ نسوانی بیضہ سے مل کر حمل استقرار کا سبب بنتا ہے باقی سب ضائع ہو جاتے ہیں۔ پھر بعض دفعہ یہ درمیان میں ہی رک جاتا ہے جس کے نتیجہ میں اسقاطِ حمل ہو جاتا ہے یا بعض دفعہ پیدائش سے چند روز قبل ہی بچہ فوت ہو جاتا ہے لیکن رحم مادر کے اس عمل میں کسی کا کوئی اختیار نہیں، جیسا کہ مولانا عبدالرحمٰن کیلانیؒ (1928ء۔1995ء) لکھتے ہیں: "یہ طاقت نہ مرد میں نہ عورت میں اور نہ دنیا کی کسی اور طاقت میں کہ وہ نطفہ سے حمل کا استقرار کرا دے۔ پھر اس نقطہ آغاز سے ماں کے پیٹ میں بچے کی درجہ بدرجہ پرورش، ہر بچے کی الگ الگ صورت گری، ہر بچے کے اندر مختلف ذہنی و جسمانی قوتوں کو ایک خاص تناسب کے ساتھ رکھنا جس سے وہ ایک امتیازی انسان بن کر اٹھے۔ کیا یہ ایک خالق کے سوا اور کا کام ہو سکتا ہے؟ یا اس میں ذرہ برابر بھی کسی دوسرے کا کوئی عمل دخل ہے؟۔"[14]

کیا بچے کی پیدائش کے سارے عمل میں کسی اور کا عمل دخل ہے؟ کیا اللہ کے سوا کوئی اور طاقت ہے؟ کیا کسی اور کے پاس ذرہ بھی اختیار ہے؟ کیا یہ ماں اور باپ کے اختیار میں ہے؟ کیا کسی ڈاکٹر کے اختیار میں ہے؟ کیا سورج چاند یا فطرت یا جن کو اللہ کے سوا پکارتے ہو ان کے اختیار میں ہے؟ مفسر نے مخاطب کو مختلف باتوں پر غور و فکر اور تجزیہ کرنے کی دعوت پیش کی ہے۔ سائنسی تفاسیر مخاطبین میں سے ان لوگوں کے لیے زیادہ مفید ثابت ہوئی ہیں جو ہر چیز کو سائنسی نظر سے دیکھتے ہیں۔ تجزیاتی اسلوب کی دوسری مثال اسی سورت کی آیت نمبر: 62 میں بیان ہوئی ہے، فرمایا: ''وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰی فَلَوْ لَا تَذَکَّرُوْنَ۔[15] (اور بلاشبہ یقیناً تم پہلی دفعہ پیدا ہونے کو جان چکے ہو تو تم کیوں نصیحت حاصل نہیں کرتے؟) وہی انسان جو پہلی مرتبہ ہر طرح کے ظاہری اسباب کے بغیر پیدا ہوا جب اپنی دوبارہ تخلیق کا انکار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس پہلی پیدائش پر غور و فکر کرنے کا حکم دیتا ہے کہ جو قوت پہلی بار پیدا کرنے پر قادر ہے وہ دوسری بار پیدا کرنے پر بھی قادر ہے۔ اگر انسان ذرا غور و تدبر کرے تو اسے یہ باور کرنے میں ذرا تردّد نہ رہے گا کہ اس کا خالق انسان کو مرنے کے بعد کس قدر دوبارہ زندہ کرنے کی پوری قدرت رکھتا ہے۔ مولانا مودودیؒ اس آیت کی تفسیر میں مخاطب کو تجزیاتی انداز میں دعوتِ دین پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ: ''کس طرح باپ کی صلب سے وہ نطفہ منتقل ہوا جس سے تم وجود میں آئے، کس طرح رحمِ مادر میں جو قبر سے کچھ کم تاریک نہ تھا تمہیں پرورش کر کے زندہ انسان بنایا گیا۔[16]'' رحم مادر میں رہنا اور مرنے کے بعد قبر میں دفن ہونے کا مرحلہ ایک دوسرے سے مماثلت رکھتے ہیں نہ تو رحم مادر میں موجود بچے کی افزائش کے عمل میں کسی کا عمل دخل ہوتا ہے اور نہ ہی قبر میں پڑے ہوئے مردے کے معاملات کا کسی کو ادراک ہوتا ہے۔ اگر ایک عقل مند انسان ان دونوں پر غور کرے اور ان سے حاصل ہونے والے نتائج کا تجزیہ کرے تو وہ کبھی بھی اس بات کا انکار نہ کرے کہ اس نے دوبارہ زندہ نہیں ہونا یا وہ دوبارہ کیسے زندہ ہو گا، بالکل ویسے ہی ہو گا جیسے ایک بچہ پیدا ہوتا ہے۔ مولانا مودودیؒ آگے چل کر مخاطب سے پر زور انداز میں مطالبہ کرتے ہیں کہ انسان کا پہلی بار پیدا ہونا کسی معجزہ سے کم ہے اور اس معجزہ کو دیکھ کر بھی تمہیں دوبارہ زندہ ہونے کا یقین نہیں ہوتا وہ لکھتے ہیں کہ:

کیا یہ معجزہ مردوں کو دوبارہ جِلا اٹھانے سے کچھ کم عجیب ہے؟ اس عجیب معجزے کو جب تم آنکھوں سے دیکھ رہے ہو اور خود اس کی زندہ شہادت کے طور پر دنیا میں موجود ہو تو کیوں اس سے یہ سبق نہیں لیتے کہ جس خدا کی قدرت سے یہ معجزہ شب و روز رونما ہو رہا ہے، اسی کی قدرت سے زندگی بعد موت اور حشر اور جنت و دوزخ کا معجزہ بھی رونما ہو سکتا ہے۔[17] اگر انسان اپنی ہی پیدائش پر غور و فکر کرے کہ جو غلیظ منی کے قطرے سے پیدا ہوا ہے اور رحمِ مادر میں پرورش پاتا رہا اور پھر دنیا میں آیا تو جس معجزے کی بدولت اس کی پہلی بار پیدائش ہوئی ہے۔ کیا اس معجزے کی بدولت اس کا دوبارہ اٹھائے جانا اسے عجیب لگتا ہے؟ ایسا

نہیں بلکہ وہی خالق اسے دوبارہ زندہ کرے گا۔ پھر عقیدہ توحید و آخرت سمجھانے کے لیے تیسری دلیل کھیتی اگنے کی دی گئی ہے ،فرمایا:"اَفَرَاَیْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ۔ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَہ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ۔[18] (پھر تم نے دیکھا جو کچھ تم بوتے ہو؟ کیا تم اسے اگاتے ہو، یا ہم ہی اگانے والے ہیں؟) ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے منکرین آخرت کو ایک کھیتی کی مثال دے کر دعوت دی ہے۔ تفسیر "ضیاء القرآن" میں ان آیات سے استدلال کرتے ہوئے دو اہم عقائد مراد لیے گئے ہیں ایک توحید اور دوسرا آخرت اور مفسر نے ان آیات کو توحید باری تعالیٰ اور وقوع قیامت پر ایک دلیل کے طور پر پیش کیا ہے اور مخاطب کو اس بات پر غور و فکر کرنے کی دعوت دی ہے کہ۔"تمہارا کام صرف اتنا ہے کہ زمین میں ہل چلاؤ اور اس میں بیج ڈالو، اس کے بعد اس کے پک کر تیار ہونے تک جو حیران کن تغیرات وقوع پذیر ہوتے ہیں، کیا تمہارا بھی اس میں دخل ہے؟۔[19]" اس سارے عمل میں وقوع پذیر ہونے والے تغیرات کی وضاحت میں صاحب تفسیر نے درجہ حرارت، ہوا، روشنی، ٹھنڈک اور کتنی رطوبت کی ضرورت ہوتی ہے کا ذکر کرتے ہوئے مخاطب کو ایک سوالیہ انداز میں دعوت فکر دی ہے کہ کیا یہ کام تمہارے دیوتا، بت یا وہ ہستیاں جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو کر سکتے ہیں؟ اس کے بعد خود ہی جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:"اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر تم اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا انکار کیوں کرتے ہو، نیز جو ذات اس دانے کو جو زمین میں گل جاتا ہے اس کو پھر ایک تن آور پودا بنا دیتی ہے، کیا اس کے لیے مشکل ہے کہ وہ انسان کو خاک میں ملنے کے بعد نئی زندگی عطا فرما دے؟۔[20]" اسی طرح انسان کا جسم مٹی میں مل کر مٹی ہو جاتا ہے اور اس کا نام و نشان مٹ جاتا ہے لیکن اس مردہ جسم اور گلی سڑی ہڈیوں سے انسان کی دوبارہ زندگی کا عمل اس زندہ پودے کی طرح ممکن ہے اور روز قیامت یہ بھی اسی طرح زندہ ہو گا۔

3۔ تجرباتی اسلوب

سائنسی اسلوب کا تیسرا مرحلہ تجربہ ہے جب مشاہدہ سے معلومات اکٹھی کر لی جائیں اور پھر سب معلومات کا بغور جائزہ لے لیا جائے تو ایک نظریہ قائم کیا جاتا ہے جس کو ثابت کرنے کے لئے تجربہ یا تجربات کی ضرورت پڑتی ہے یا پہلے سے موجود تجربات کی روشنی میں اس نظریہ کو ثابت کر لیا جاتا ہے جسکا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ ایسے ثابت شدہ مواد کو آگے بیان کرنے میں نہ صرف اعتماد و اطمینان ہوتا ہے بلکہ بیان و وضاحت میں دلائل کی قوت بھی حاصل ہوتی ہے۔ جیسے اللہ کی نافرمانی میں سزا و ہلاکت ہے۔ انسانی مشاہدہ و عقل اس بات کا متقاضی ہے کہ جب کوئی نافرمانی و جرم کرتا ہے اسے سزا ملنی چاہیے۔ اس نظریہ کا اثبات قرآن میں نافرمانی کی وجہ سے مبغضوب ٹھہرائی جانے والی اقوام کا باکثرت تذکرہ ملتا ہے۔ سورہ الفجر میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:اَلَمْ تَرَ كَیْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ۔ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ۔اَلَّتِیْ لَمْ یُخْلَقْ مِثْلُهَا فِی الْبِلَادِ۔ وَثَمُوْدَ الَّذِیْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ۔ وَفِرْعَوْنَ ذِی الْاَوْتَادِ۔ اَلَّذِیْنَ طَغَوْا فِی الْبِلَادِ۔ فَاَكْثَرُوْا فِیْهَا الْفَسَادَ۔فَصَبَّ عَلَیْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ۔ اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ۔[21] (کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے رب نے عاد کے ساتھ کس طرح کیا۔ {وہ عاد} جو ارم) قبیلہ کے لوگ (تھے، ستونوں والے۔ وہ کہ ان جیسا کوئی شہروں میں پیدا نہیں کیا گیا۔ اور ثمود کے ساتھ) کس طرح کیا (جنھوں نے وادی میں چٹانوں کو تراشا۔ اور میخوں والے فرعون کے ساتھ) کس طرح کیا (۔ وہ لوگ جو شہروں میں حد سے بڑھ گئے۔ پس انہوں نے ان میں بہت زیادہ فساد پھیلا دیا۔ تو تیرے رب نے ان پر عذاب کا کوڑا برسایا۔ بے شک تیرا رب یقیناً گھات میں ہے۔) اللہ تعالیٰ نے سورت کے آغاز میں نظام کائنات کا ذکر کر کے یہ بتایا کہ کیسے اس نے چیزوں کو بے نظیر نظم کے ساتھ پیدا کیا ہے اور ہر ذی عقل انسان کو باور کرایا کہ جو اللہ اس نظام کو چلانے پر قادر

ہے وہ اللہ انسان کو دوبارہ زندہ کرنے پر بھی قادر ہے اور وہی اللہ دنیا میں بھی جزاو سزا پر قادر ہے۔اسی لیے اللہ تعالیٰ نے پہلے نظم کائنات کا ذکر کیا اور اسی سے استدلال کرتے ہوئے جزاو سزا کا استدلال کیا اور اس کے ایک یقینی حقیقت ہونے پر انسانی تاریخ سے استدلال کیا کہ کیسے اللہ نے ان قوموں کو ہلاک کیا۔مولانا مودودیؒ نے ان آیات کی تفسیر میں قانون الہیٰ کا ایک منفرد استدلال کیا ہے کہ ان سابقہ قوموں کے برے انجام سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ قانون کسی اندھے اور بہرے کے ہاتھ میں نہیں ہے بلکہ ایک حکیم اور خبیر کے ہاتھ میں ہے جو ہر اچھے اور برے انسان کے کارناموں سے واقف ہے، وہ لکھتے ہیں کہ:"تاریخ کی چند معروف قوموں کے طرز عمل اور ان کے انجام کے ذکر سے مقصود یہ بتانا ہے کہ یہ کائنات کسی اندھے بہرے قانونِ فطرت پر نہیں چل رہی بلکہ ایک خدائے حکیم اس کو چلا رہا ہے۔[22]" قانون صرف ایک ہی نہیں جسے تم قانونِ فطرت سمجھتے ہو بلکہ اللہ کا دوسرا قانون "قانون اخلاق" ہے جس کا لازمی تقاضا مکافات عمل اور جزاو سزا ہے۔جب کوئی انسان اس اخلاقی قانون کے خلاف جاتا ہے تو اللہ اسے پکڑ لیتا ہے اور اس قانون کے آثار مختلف قوموں پر عذاب کی شکل میں ظاہر ہو تے رہے ہیں جن سے انسان کو یہ سمجھنے میں آسانی ہو جاتی ہے کہ سلطنتِ کائنات کا مزاج کیا ہے اور یقیناً اس کو عقل رکھنے والے ہی سمجھ سکتے ہیں۔ایسے تجربات ماضی میں کئی بار ہو چکے ہیں کہ جن قوموں نے بھی آخرت سے بے فکر ہو کر اور جزاو سزا سے بے خوف ہو کر اپنی مرضی کا نظام چلانے کی کوشش کی ہے اور قانون فطرت و قانون اخلاق سے اپنے آپ کو بالاتر سمجھا ہے اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب کا کوڑا برسایا ہے ان قوموں میں سے (قومِ عاد: قوم عاد کو عاد اولیٰ بھی کہا جاتا ہے اور عاد ارم بھی۔عاد ارم اس لحاظ سے کہ وہ ارم بن سام بن نوح کی اولاد تھے۔یہ لوگ بہت بلند و بالا قد و قامت رکھتے تھے اور بلند و بالا عمارتیں بناتے تھے۔دنیا میں یہ سب سے زیادہ بلند قامت، زور آور اور مضبوط تھے، ساری دنیا میں انہیں کا ڈنکا بجتا تھا۔لیکن آخرت کے منکر ہونے کی وجہ سے عذاب الہیٰ کے مستحق ٹھہرے۔[23]، قوم ثمود: قوم ثمود کو عاد ثانی بھی کہا جاتا ہے، یہ پتھر تراشنے کے ماہر تھے، ان لوگوں نے پتھر تراش تراش کر اپنے گھر اور شہر آباد کر رکھے تھے۔ان کا مسکن وادی القریٰ تھا جو مدینہ اور تبوک کے راستے پر ہے۔یہ لوگ بھی آخرت کے منکر تھے جس کی وجہ سے ان پر اللہ کا عذاب نازل ہوا، اور ان مضبوط گھروں میں رہنے کے باوجود یہ اللہ کے عذاب سے نہ بچ سکے۔[24]اور فرعون اور قومِ فرعون: میخوں والے فرعون سے مراد وہی فرعون ہے جو حضرت موسیٰ علیہ اسلام کے دور میں تھا میخوں والا فرعون اس کو اس لیے کہا گیا ہے کہ یہ بہت طاقت ور تھا اور اسی طاقت کے بل بوتے پر اس نے رب الاعلیٰ کا دعوٰی کر رکھا تھا مفسرین نے میخوں کی اصطلاح کی کئی توضیحات بیان کی ہیں جن کو تفسیر تیسیر القرآن، تفہیم القرآن۔ القرآن الکریم وغیرہ میں دیکھا جا سکتا ہے۔فرعون اور قوم فرعون بھی آخرت کے منکر تھے جس کی وجہ سے اللہ نے انہیں غرق کر دیا اور بعد والوں کے لیے نشانِ عبرت بنا دیا۔[25] کا ذکر بطورِ مثال بیان ہوا ہے)مولانا مودودیؒ ان سابقہ قوموں کے اس انجام کو بطورِ تجربہ آج کے انسان کے سامنے رکھتے ہوئے اسے دعوت دین پیش کرتے ہیں کہ وہ ان تجربات کی روشنی میں اپنی اصلاح کر سکے اور دنیا و آخرت دونوں میں اللہ کے عذاب سے بچ جائے، وہ لکھتے ہیں:انسانی تاریخ کا یہ مسلسل تجربہ دو باتوں کی واضح شہادت دے رہا ہے، ایک یہ کہ آخرت کا انکار ہر قوم کو بگاڑنے اور بالآخر تباہی کے غار میں دھکیل دینے کا موجب ہوا ہے اس لیے آخرت فی الواقع ایک حقیقت ہے جس ٹکرانے کا نتیجہ وہی ہوتا ہے جو حقیقت سے ٹکرانے کا ہوا کرتا ہے، دوسرے یہ کہ جزائے اعمال کسی وقت مکمل طور پر بھی واقع ہونے والی ہے۔[26]قرآن کا دیا ہوا عقیدہ آخرت محض تصوّراتی نظریہ نہیں، بلکہ ایک ٹھوس حقیقت ہے، اور جب انسان کسی ٹھوس حقیقت کے مقابلہ میں آنے اور ٹکرانے سے پاش پاش ہو

جاتا ہے اسی طرح آخرت کا منکر بھی برباد اور پاش پاش ہو جائے گا۔ مفسرین نے ان تجربات کی روشنی میں مخاطب کے سامنے دو اہم نتائج بیان کیے ہیں ان تجربات کا پہلا لازمی نتیجہ تو یہ ہے کہ جو بھی انسان فطرت سے ٹکرایا ہے وہ تباہ ہی ہوا ہے اور دوسرا لازمی نتیجہ یہ کہ جو قومیں دنیا میں عذاب الہیٰ سے بچ کر چلی گئی ہیں ان کے لیے بھی جزاو سزا کا دن مقرر ہے اور یہی اللہ تعالیٰ کے انصاف کا تقاضا ہے کہ وہ ان سے باز پرس کرے اور ان کو بھی ان کے کیے کی سزا دے۔ اور سزا کا جو دن مقرر ہے اسی کا نام آخرت ہے۔ دنیا کی تباہی کا نام ہی قیامت ہے اور اس کا برپا ہونا سابقہ تجربات کی روشنی میں یقینی ہے کہ کس طرح اللہ نے پوری پوری بستیوں کو تباہ کر دیا۔ ڈاکٹر سلطان بشیر محمود (1940ء) نے سائنسی انداز میں یہ ثابت کیا ہے کہ یہ کائنات ختم ہو جائے گی ،وہ لکھتے ہیں کہ: ناسا(NASA) نے 1980ء کی دہائی میں یہ مشاہدہ کیا کہ آسمانوں کی طرف سے بہت بڑے بڑے برفانی تودے زمین کی طرف گرتے رہتے ہیں لیکن اس کی فضائی چھت کی رگڑ کی وجہ سے اوپر ہی بخارات میں تبدیل ہو جاتے ہیں اور آہستہ آہستہ یہ پانی زمین کی طرف پہنچتا ہے۔[27] اس لیے ہر انسان کو اپنی آخرت کی فکر کرنی چاہیے کہ اس کی آخرت بہتر ہو جائے، کیونکہ دنیا کی بہتری صرف ایک امتحان کے طور پر ہے لیکن کتنے ایسے لوگ ہیں جو دنیا حاصل کر لینے کے بعد آخرت کو بھول جاتے ہیں، جیسے فرمایا: اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَرَضُوْا بِالْحَیَاةِ الدُّنْیَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنْ اٰیَاتِنَا غَافِلُوْنَ۔ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰاهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ۔[28] (بے شک وہ لوگ جو ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے اور وہ دنیا کی زندگی پر خوش ہو گئے اور اس پر مطمئن ہو گئے اور وہ لوگ جو ہماری آیات سے غافل ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن کا ٹھکانا جہنم ہے، اس کے بدلے جو وہ کمایا کرتے تھے۔) اگر انسان غور کرے تو سورج و چاند کی روشنی اور ان کا اپنے اپنے اوقات میں منزلیں طے کرنا نظم کائنات کی ایک ایسی نشانی ہے کہ وہ اس کا اقرار کیے بغیر نہیں رہ سکے گا۔ کائنات میں موجود مختلف اشیاء کا مشاہدہ کر لینے کے بعد اسے یقین کامل حاصل ہو گا کہ دنیا کی ایک چھوٹی سی ریاست بغیر منتظم کے نہیں چل سکتی تو کائنات کا اتنا بڑا نظام بغیر کسی منتظم اعلیٰ کے کیسے چل سکتا ہے؟ لیکن یہی انسان مختلف ایجادات کر لینے کے بعد اپنی دنیاوی زندگی کو پرسکون بنا لینے کے بعد آخرت کی ابدی زندگی کو بھول چکا ہے۔ ایسے لوگوں کو اللہ نے خبردار کیا ہے کہ جو اللہ سے ملاقات کی امید نہیں رکھتے ایسے لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہے۔ مولانا مودودیؒ نے ان آیات کی تفسیر میں جہنم کے عذاب کا یقینی ہونے کو انسانی تجربہ قرار دے کر مخاطب کو قرآن کی حقانیت کو تسلیم کرنے کی دعوت دی ہے، وہ لکھتے ہیں کہ: "یہاں پھر دعوے کے ساتھ ساتھ اس کی دلیل بھی اشارۃً بیان کر دی گئی ہے، دعویٰ یہ ہے کہ عقیدہ آخرت کے انکار کا لازمی اور قطعی نتیجہ جہنم ہے، اور دلیل یہ ہے کہ اس عقیدے سے منکر اور خالی الذہن ہو کر انسان ان برائیں کا اکتساب کرتا ہے جن کی سزا جہنم کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتی۔ یہ ایک حقیقت ہے اور ہزار ہا سال کے انسانی رویّے کا تجربہ اس پر شاہد ہے کہ جو لوگ بھی برائیوں کا اکتساب کرتے ہیں اس بنا پر جہنم کے مستحق بن جاتے ہیں۔"[29]

انسانوں کی کثیر تعداد دنیا میں آکر واپس جا چکی ہے کچھ نیک اور زیادہ تر برے تھے جن کی برائی نے انہیں دنیا میں بھی عذاب الہیٰ کا مستحق بنایا اور اسی برائی نے آخرت میں بھی عذاب الہیٰ سے دوچار کرے گی۔ نافرمانوں نے خود کو سزا سے بچانے کے لیے مختلف تجربات کیے لیکن تجربات سے ثابت ہوا کہ اللہ کی پکڑ بہت سخت ہے، جیسے فرمایا: "اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِیْدٌ۔"[30] (بے شک تیرے رب کی پکڑ یقیناً بہت سخت ہے۔) مجرم اپنے بچاؤ کے لیے جتنی چاہے تدابیر کر لے اور اپنے آپ کو کسی مضبوط قلعہ میں محصور کر لے جب اللہ کی پکڑ آتی ہے تو وہ ایسے ظالموں کو نہیں چھوڑتی، قرآن میں ایسی کئی قوموں کا ذکر آیا ہے

جو بڑی بڑی مضبوط تھیں اور اللہ کے عذاب سے بے فکر تھیں لیکن جب اللہ کا عذاب آیا تو وہ اس سے نہ بچ سکیں۔ اس تجرباتی دنیا میں انسان کو قوم عاد، قوم ثمود اور میخوں والے فرعون کی تباہی سے سبق سیکھنا چاہیے کہ جب ان قوموں نے اس کا تجربہ کیا کہ ہمیں کون پوچھنے والا ہے اور ہماری قوت کے سامنے کوئی کچھ نہیں کر سکتا تو پھر اللہ نے ان کو ایسا پکڑا کہ ان کی باقیات آج بھی بعد والے انسان کو چیخ چیخ کر یہ کہہ رہی ہیں کہ تم نافرمانی کر کہ کبھی اس تجربے سے نہ گزرنا۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: اَوَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ کَانُوا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاَثَارُوا الْاَرْضَ وَعَمَرُوْهَآ اَکْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ۔[31] (اور کیا وہ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ دیکھتے ان لوگوں کا انجام کیسا ہوا جو ان سے پہلے تھے، وہ ان سے قوت میں زیادہ سخت تھے اور انہوں نے زمین کو پھاڑا اور اسے آباد کیا اس سے زیادہ جو انہوں نے اسے آباد کیا ہے اور ان کے پاس ان کے رسول واضح دلیلیں لے کر آئے تو اللہ ایسا نہ تھا۔ کہ ان پر ظلم کرے اور لیکن وہ خود اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے۔) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہل مکہ کو سابقہ قوموں کی تباہی سے آگاہ کرنے کے لیے ایک سوالیہ انداز میں کہا کہ جب یہ تجارت کی غرض سے شام و یمن کا سفر کرتے ہیں تو انہی راستوں پر وہ بستیاں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ان کی نافرمانی کی وجہ سے ہلاک کر دیا تھا اور یہ تجربہ ماضی میں کئی بار دہرایا جا چکا ہے، اس لیے اس تجربے سے سبق سیکھ کر تم ہلاکت سے بچ جاؤ۔ عبد الماجد دریابادیؒ اس تجربے کی بنیاپر دعوت فکر پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "کیا اس پر غور نہیں کرتے کہ ان سے قبل کی بڑی بڑی مہذب، متمدن و شوکت، لیکن کافر قومیں، مثلاً عاد و ثمود کس طرح اپنے طغیان و عدوان کے پاداش میں برباد ہو کر رہی ہیں۔ ان کے آثار اور ان کے کھنڈر انہیں یاد نہیں دلاتے کہ اللہ کی نافرمانی کے قدرتی انجام کو دنیا کی کوئی خوش تدبیری، کوئی اقبال مندی کوئی مرفہ الحالی روکنے میں کامیاب نہیں ہو سکتی ہے، ان بد بختوں پر کوئی گرفت اللہ کی طرف سے خواہ مخواہ تھوڑی ہی ہوئی ہے یہ تو خود اپنی حرکتوں سے یہ وقت بد اپنے اوپر لائے تھے۔"[32]

آخرت کا انکار کسی ایک فرد نے نہیں کیا بلکہ انسانی تاریخ میں پوری پوری قومیں ایسی گزری ہیں جنہوں نے آخرت کا انکار کیا ہے اور اسی انکار کی بنا پر اپنی من مرضی کرتے رہے جس کی وجہ سے ان پر اللہ کا عذاب آیا اور انہیں بعد والوں کے لیے نشانِ عبرت بنا دیا۔ مولانا مودودیؒ اس عمل کو ایک انسانی تاریخ کا تجربہ قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: "پھر تاریخ کا مسلسل تجربہ یہ بتاتا ہے کہ انکار آخرت جس صورت میں بھی کیا گیا ہے اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں کے اخلاق بگڑے، وہ اپنے آپ کو غیر ذمہ دار سمجھ کر شتر بے مہار بن گئے، انہوں نے ظلم و فساد اور فسق و فجور کی حد کر دی اور اس چیز کی بدولت قوموں پر قومیں تباہ ہوتی چلی گئیں۔ کیا ہزاروں سال کی تاریخ کا یہ تجربہ جو پے در پے انسانی نسلوں کو پیش آتا رہا ہے، یہ ثابت نہیں کرتا کہ آخرت ایک حقیقت ہے۔"[33] عقل مند انسان ہمیشہ تجربات سے سیکھتا ہے لیکن آخرت کا انکار کرنے والے لوگوں نے ان تجربات سے سبق سیکھنے کی کبھی کوشش ہی نہیں کی۔ یہی انسان سائنس کی بنیاد پر کیے گئے تجربات پر تو یقین رکھتا ہے مگر تباہ شدہ قوموں کی تباہی سے حاصل ہونے والے تجربات پر یقین نہیں رکھتا، یہ انسان کشش ثقل کا تو قائل اس لیے ہوا ہے کہ مشاہدے سے اس نے مادی اشیاء کو ہمیشہ زمین کی طرف گرتے دیکھا ہے۔ تجربے سے ثابت کر چکا ہے کہ زہر کھانے سے موت واقع ہو جاتی ہے اس لیے اس تجربہ سے اس نے یہ سبق سیکھا کہ زہر انسانی زندگی کو ختم کر دیتی ہے۔ اسی طرح تجربات سے یہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ جب انسان آخرت کا منکر بن جاتا ہے تو اخلاقی اعتبار سے بگڑ جاتا ہے۔ لوگ اس طرح کے تجربات سے گزرتے رہے ہیں، لیکن

ان تجربات سے گزرنے کے باوجود سبق نہیں سیکھا جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے نے جب اس کا تجربہ کیا کہ میں اپنے باپ نوح علیہ السلام کی کشتی میں سوار نہیں ہوں گا بلکہ اس بلند پہاڑ پر چڑھ کر اپنی جان بچالوں گا لیکن اس تجربے کا نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ نے پانی کو اس پہاڑ تک بھی پہنچادیا اور بالآخر وہ ہلاک ہو گیا اور اس تجربے نے یہ بھی ثابت کر دیا کہ کوئی نافرمان بھی اللہ کی پکڑ سے نہیں بچ سکتا۔ آج سائنس اور ٹیکنالوجی کا دور ہے انسان زمین میں مختلف طرح کے کھوج لگا تا رہتا ہے اور کئی بار اس کھوج کے دوران ایسی ایسی قوموں کے آثار قدیمہ کے نشانات دریافت کر چکا ہے جو کسی دور میں اپنے وقت کی بہت بڑی قوت رکھنے والی قومیں تھیں لیکن اس کے باوجود یہ عذاب الہیٰ سے نہیں بچ سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے مفسرین نے سائنسی تجربات کی بنیاد پر بھی قرآن کی صداقت و حقانیت کی دعوت پیش کی ہے کہ وہ لوگ جو کسی بھی بات کی صداقت کا اقرار اسی وقت کرتے ہیں جب وہ تجربات سے ثابت ہو جائے۔ تو ان کے لیے قرآن کے یہ سارے واقعات تجربات سے بھی ثابت ہو چکے ہیں، اب ان کے پاس اس صداقت کا انکار کرنے کا جواز نہیں بنتا۔

عصری سائنسی تفاسیر کی افادیت

عصر حاضر سائنسی دور نہیں بلکہ جدت پسندی کے ساتھ سائنسی ترقی کا دور ہے۔ اس اعتبار سے زندگی کے ہر شعبہ میں سائنس اور سائنسی انداز کو بہت ضروری اور اہم خیال کیا جاتا ہے۔ انفرادی زندگی میں بھی ٹیکنالوجی کی صورت میں سائنس کا عمل دخل بہت زیادہ ہے۔ ہر کام اختصار اور جامعیت کے اصول پر پرکھا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ کسی دفتر میں لوگوں کی رہنمائی کا معاملہ ہو یا گھر میں بچوں کو نصیحت کا مسئلہ در پیش ہو حتیٰ کہ مسجد میں وعظ و تقریر کا موقع ہو لمبی بحثوں اور نصیحتوں کو بے فائدہ اور بوریت کا باعث سمجھا جاتا ہے۔ ذیل میں ان تفاسیر کے چند اہم مفید پہلو ذکر کیے جاتے ہیں۔

1۔ فکری ترتیب کا حسن

سائنسی تفاسیر میں کسی بھی عنوان پر معلومات کو سائنسی اسلوب میں اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ نظری باتوں سے واقعاتی حقائق تک ایک خوبصورت ترتیب دکھائی دیتی ہے۔ جس کی وجہ سے ایک عنوان کی سب باتوں کا ایک جگہ تذکرہ کر کے قاری کی تسلی کر دی جاتی ہے اور بات بھی اصل روح کے ساتھ سمجھ آجاتی ہے۔ جیسے قرآن میں حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے بنانے کی بات ہے تو جب تخلیق آدم علیہ السلام کو سائنسی انداز میں بتایا گیا تو مٹی کی بدلتی سب صورتوں کو ایک جگہ بیان کر کے واضح کر دیا گیا کہ گیلی مٹی، خشک مٹی، پکی مٹی وغیرہ۔ اسی طرح عام انسان کی پیدائش کے مختلف مراحل کا ذکر قرآن میں ہے جس کو سائنسی تفسیر میں حیاتیاتی سائنس (Biological Science) کے اسلوب میں سب مراحل کو حقیقی ترتیب کے ساتھ اس طرح واضح کر دیا جاتا ہے کہ قرآن کی بات آسانی سے سمجھ آجاتی ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِنَ الْبَعْثِ فَإِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُضْغَةٍ مُخَلَّقَةٍ وَغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِنُبَيِّنَ لَكُمْ۔[34] (اے لوگو! اگر تم اٹھائے جانے کے بارے میں کسی شک میں ہو تو بے شک ہم نے تمہیں حقیر مٹی سے پیدا کیا، پھر ایک قطرے سے، پھر کچھ جمے ہوئے خون سے، پھر گوشت کی ایک بوٹی سے، جس کی پوری شکل بنائی ہوئی ہے اور جس کی پوری شکل نہیں بنائی ہوئی تا کہ ہم تمہارے لیے واضح کریں۔) موجودہ دور میں جہاں انسان سائنسی تحقیق کو معیارِ حقیقت سمجھتا ہے اور اس تحقیق کے علاوہ کسی اور تحقیق پر یقین نہیں رکھتا، وہیں سائنس انسانی پیدائش کے ابتدائی مراحل کو تسلیم کر چکی ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمدؒ (2010ء۔1932ء) اپنی تفسیر میں ڈاکٹر کیتھ ایل مور کے حوالے سے لکھتے ہیں

کہ ان کا کہنا ہے کہ میں نے جب قرآن میں انسانی تخلیق سے متعلق آیات کی تلاوت کی تو میں حیران ہو گیا: کہ انسانی تخلیق کے مراحل کی اس سے زیادہ صحیح تعبیر ممکن نہیں ہے۔[35] جو مراحل قرآن کریم میں ساڑھے چودہ سو سال پہلے بتا دیے گئے تھے۔ آج حیاتیاتی سائنس (Biological Science) یا میڈیکل سائنس جب انہی مراحل کو اپنی زبان میں بیان کرتی ہے تو اس کی بات کو فوراً مان لیا جاتا ہے۔ چنانچہ ہمارے اردو مفسرین نے ان رویّوں اور رجحانات کے حاملین کو دعوت دین پیش کرنے کے لیے ایسی آیات کی تفسیر سائنسی انداز میں کی ہے تاکہ ایسے لوگوں پر قرآن کریم کی صداقت و حقانیّت واضح کی جا سکے۔ عبدالرحمٰن کیلانیؒ اس تخلیقی عمل کو سائنسی انداز میں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "آدم کے پتلے کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے بنایا، مٹی بے جان چیز ہے جب اس میں اپنی روح پھونکی تو وہ جیتا جاگتا انسان بن گیا۔ پھر آگے توالد و تناسل سے آدم کی اولاد پھیلی۔ اب جو چیزیں یا غذائیں انسان کھاتا ہے وہ سب زمین سے حاصل ہوتی ہیں انہی غذاؤں سے کہیں انسان کا گوشت بنتا ہے، کہیں ہڈیاں، کہیں عضلات بنتے ہیں۔ پھر اس غذا سے نطفہ بھی بنتا ہے اور اس نطفہ کے ایک قطرہ میں ہزاروں جاندار جرثومے ہوتے ہیں اب دیکھیں زمین بھی بے جان چیز ہے اور غذائیں جو انسان نے استعمال کیں وہ بھی بے جان تھیں۔ لیکن اللہ نے انہی بے جان چیزوں سے زندہ اور متحرک جراثیم پیدا کر دیے، پھر ان ہزاروں جرثوموں میں کوئی ایک آدھ جرثومہ عورت کے خلیہ بیضہ سے ملتا ہے تو انسان کی تخلیق کا عمل شروع ہو جاتا ہے وہ بھی اس صورت میں کہ اللہ کو منظور ہو۔ ورنہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ مرد اور عورت کے ملاپ کے بعد بھی حمل قرار نہیں پاتا۔ حالانکہ مرد اور عورت دونوں کے نطفہ میں پوری پوری صلاحیت موجود ہوتی ہے۔ انسانی پیدائش کے ابتدائی مراحل کو اور استقرار حمل کے بعد والے عمل کو حتّٰی کہ موت تک جن مراحل سے گزرتا ہے اگر انسان اس پر غور و فکر کرے تو یقیناً اپنے خالق کو پہچان جائے، جیسے فرمایا: وَنُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوا اَشُدَّكُمْ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًا۔[36] (اور ہم جسے چاہتے ہیں ایک مقرر مدت تک رحموں میں ٹھہرائے رکھتے ہیں، پھر ہم تمہیں ایک بچے کی صورت میں نکالتے ہیں، پھر تا کہ تم اپنی جوانی کو پہنچو اور تم میں سے کوئی وہ ہے جو قبض کر لیا جاتا ہے اور تم میں سے کوئی وہ ہے جو سب سے نکمی عمر کی طرف لوٹایا جاتا ہے، تا کہ وہ جاننے کے بعد کچھ نہ جانے۔)

سائنسی تفاسیر میں انسانی زندگی کے تمام مراحل کو بڑے خوبصورت اور سائنسی انداز میں پیش کرنے کا مقصد صرف اور صرف یہی ہے کہ جو انسان سائنس کی بات کو بغیر سوچے سمجھے آنکھیں بند کر کے مان لیتا ہے اس کو ذرہ اپنی تخلیق پر بھی غور کرنا چاہیے کہ کس طرح استقرار حمل سے لے کر زندگی کی آخری سانس تک انسان جن مرحلوں سے گزرتا ہے اور زندگی کے ہر مرحلہ میں نازک سے نازک تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں پھر ان نئی نئی تبدیلیوں کے ساتھ ان کے تقاضے بھی نئے سے نئے ہوتے ہیں اور جس حکمت سے ان تقاضوں کو پورا کیا جاتا ہے اگر انسان اسی پر غور کر لے تو وہ اللہ وحدہ لاشریک کی وحدانیّت کو اسی وقت قبول کر لے۔ محمد کرم شاہ الازھریؒ (1998ء-1918ء) بچے کی پیدائش کے پہلے مرحلے کو سائنسی انداز میں بیان کر کے مخاطب کو قدرت کی واضح نشانیاں بتا رہے ہیں: "اللہ وہ وحدہ لاشریک ہے جس کی حکمت اور جس کے علم کے جلوے انسانی زندگی کے ہر موڑ پر چشمِ بینا کو نظر آتے ہیں، جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کا معدہ بڑا لطیف ہوتا ہے وہ کسی ثقیل چیز کو ہضم کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا تو اس وقت ماں کا دودھ بھی پتلا اور زود ہضم ہوتا ہے۔ جس نسبت سے معدہ میں ہاضمہ کی قوت بڑھتی ہے بعینہ اسی نسبت سے ماں کا دودھ بھی گاڑھا ہونے لگتا ہے اور اس کی چکناہٹ میں اضافہ جاتا ہے جب بچے کے دانت نکل آتے ہیں اور اسکا

معدہ طاقت ور ہو جاتا ہے تو طبیعت خود بخود روٹی وغیرہ کی طرف مائل ہونے لگتی ہے غرضیکہ زندگی کے کسی دور کا آپ مطالعہ فرمائیں اللہ تعالیٰ کے علم اور اس کی حکمت کے چراغ ہر جگہ آپ کو جگمگاتے نظر آئیں گے۔"[37] بچے کی زندگی میں رونما ہونے تبدیلیاں ہر پل متبدل کی طرف متوجہ کرا رہی ہیں۔ اور اس کے سوئے ہوئے ضمیر کو جگا رہی ہیں، کہ بچے کی زندگی میں مختلف کیفیات پیدا کرنے والا موجود ہے۔ اسی طرح انسانی زندگی کے دیگر مراحل جس میں لڑکپن، جوانی، ادھیڑ عمر اور بڑھاپا حتی کہ موت، انسان صرف اسی بات پر غور کرنا شروع کر دے کہ اس کی زندگی کا آغاز کس طرح ایک نطفے سے ہوا اور چلتے چلتے دنیا کی زندگی کا سفر اختتام پذیر ہو گیا، تو غور کرے اس سفر میں مختلف مراحل سے گزارنے والا کون ہے؟ تو بات آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے کہ جو اللہ مجھے وجود دینے پر قادر ہے وہ موت کے بعد زندگی دینے پر بھی قادر ہے۔ مفسر مزید لکھتے ہیں کہ: ''جو ذات ایک قطرہ آب سے انسان کو پیدا کر سکتی ہے اور اس کے سفینہ حیات کو زندگی کے متلاطم سمندر سے گزار کر موت کے ساحل پر لنگر انداز کر دیتی ہے اس کے لیے کیا مشکل ہے کہ پھر وہ تمہیں زندہ کر دے۔[38] سائنسی تفاسیر کی یہ افادیت بالکل واضح ہے کہ انکی کسی بھی عنوان پر فکری ترتیب کا حسن پیچیدہ باتوں کو بھی آسان بنا دیتا ہے اور سائنس کا طالب علم نہ ہونے کے باوجود قاری ان مسائل کو اچھی طرح سمجھ لیتا ہے۔

2۔ عقائد میں پختگی

عقائد میں پختگی بہت اہم معاملہ ہے اور اسکی اہمیت کے پیشِ نظر سائنسی تفاسیر میں دلائل کو سائنسی اور عقلی پیرائے میں اتنی خوبصورتی سے بیان کیا گیا ہے کہ پڑھنے والے کے عقائد نہ صرف واضح ہوتے ہیں بلکہ بڑے پختہ اور مضبوط ہو جاتے ہیں۔ اسلامی عقائد میں پہلا عقیدہ توحید ہے یعنی اللہ کو اس کی تمام صفات کے ساتھ یکتا ماننا۔ سیدھی سادی بات میں ایک اللہ ہی اس کائنات کا خالق و مالک ہے لیکن اس بات سے بعض لوگوں میں عقیدے کی پختگی نہیں بنتی لیکن جب اللہ کی طرف سے اسے فرمایا گیا: ''لَوْ كَانَ فِيْـهِمَآ اٰلِـهَةٌ اِلَّا اللّـٰهُ لَفَسَدَتَا۔[39]'' (اگر ان دونوں میں اللہ کے سوا کوئی اور معبود ہوتے تو وہ دونوں ضرور بگڑ جاتے)۔ ایک خاندان کے دو سربراہان کے ہونے کی صورت میں گھر کا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے، ایک سلطنت کے دو بادشاہ ہونے کی صورت میں تصادم ہو جاتا ہے، ایک گاڑی کو چلانے والے دو ڈرائیور حادثے کا پیش خیمہ ثابت ہوتے ہیں۔ اسی طرح اگر کائنات کا نظام چلانے کے لیے ایک سے زیادہ الٰہ ہوتے تو ان میں بھی اختلاف لازمی ہوتا اور یہ نظام تباہ ہو جاتا۔ پھر زمین و آسمان، سورج و چاند اور نظام فلکی کے مربوط نظام کو دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس سارے نظام کو چلانے والی ایک ہی ذات ہے جس کی وجہ سے اس میں کوئی خرابی نظر نہیں آتی۔ مولانا مودودیؒ نظام کائنات میں ہم آہنگی کو بنیاد بنا کر دعوت دین پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "یہ کس طرح تصوّر کیا جا سکتا ہے کہ بہت سے مطلق العنان فرمانرواؤں کی حکومت میں ایک ضابطہ اس باقاعدگی کے ساتھ چل سکے؟ نظم کا وجود خود ہی ناظم کی وحدت کو مستلزم ہے۔ قانون اور ضابطہ کی ہمہ گیری آپ ہی اس بات پر شاہد ہے کہ اختیارات ایک ہی حاکمیت میں مرکوز ہیں، اور وہ حاکمیت مختلف حاکموں میں بٹی ہوئی نہیں ہے۔"[40] تصادم سے پاک ہونا ہی اللہ کی توحید کا ثبوت ہے۔ زمین و آسمان میں کسی فساد کا نہ ہونا اور پوری کائنات میں زبردست ترتیب اور ہم آہنگی کا ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ ان کا مالک اور انہیں چلانے والا ایک ہی ہے۔ سائنسی انداز کی تفاسیر میں جو تفصیلات دی گئی ہیں ان کو پڑھ کر عقیدہ توحید کمال حد تک پختہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح عقیدہ رسالت پر پختگی کے لیے ہمارے اردو مفسرین نے

ان معجزات کی سائنسی توجیہات بیان کر کے اس میں پختگی پیدا کرنے کی راہ ہموار کی ہے۔ جس کا فائدہ عقیدہ رسالت میں پختگی اور دل میں اتباعِ رسول کے جذبے کی صورت میں ظاہر ہوا۔

3۔ روحانیت و حقیقت کی تفہیم

''روحانیت'' مافوق الحواس چیزوں کا نام ہے جو انسان کے حواس خمسہ سے ماوراء ہوتی ہیں جبکہ ''حقیقت'' میں وہ چیزیں آتی ہیں جو حواس خمسہ سے حاصل ہوں۔ روحانیت کی تفہیم کلام اللہ اور رسول ﷺ کے فرامین سے حاصل ہوتی ہے۔ جیسے آخرت کی زندگی سے متعلق معلومات اور انسان کا آخرت میں کامیابی کا معیار، کامیاب لوگوں کے لیے جنت اور ناکام لوگوں کے لیے دوزخ کی باتیں۔ ان ساری باتوں کی تفہیم بھی انسان کو نتیجے کی فکر مہیا کرتی ہے۔ جبکہ حواس خمسہ دنیا کی تفہیم میں مدد کرتے ہیں۔ قرآن کریم روحانیت اور حقیقت کا خوبصورت امتزاج پیش کرتا ہے ایک طرف تو اس نے روحانیت کو اس انداز میں بیان کیا ہے کہ جب کچھ نہ تھا تو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے اس کائنات کی تخلیق فرمائی، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: أَوَلَمْ يَرَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنَاهُمَا وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ أَفَلَا يُؤْمِنُونَ۔[41] (اور کیا جن لوگوں نے کفر کیا یہ نہیں دیکھا کہ سارے آسمان اور زمین آپس میں ملے ہوئے تھے تو ہم نے انہیں پھاڑ کر الگ کیا اور ہم نے پانی سے ہر زندہ چیز بنائی، تو کیا یہ لوگ ایمان نہیں لاتے۔) اس آیت سے واضح ہو چکا کہ آغاز میں زمین و آسمان آپس میں جڑے ہوئے تھے جس کے بعد اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انہیں پھاڑ کر الگ الگ کر دیا۔ زمین و آسمان کے وجود میں آنے کے بعد دیگر مخلوقات کو پیدا کیا، ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے سائنسی تجربات کی روشنی میں زمین و آسمان کو پہلے بنانے کی مختلف حکمتیں بیان کی ہیں جس سے عام انسان بھی باآسانی نتیجہ تک پہنچ سکتا ہے کہ خالقِ کائنات کس قدر حکیم ہے جس نے مخلوقات کو کوئی طرح کی آفات سے بچانے کے لیے آسمان کی صورت میں ایک چھت مہیا فرمایا، جیسا کہ صاحب تفسیر اس کی افادیت کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "اب تک کی سائنسی تحقیقات کے حوالے سے سقفاً محفوظاً کے دو پہلو اور بھی ہیں۔ ان میں سے ایک تو O-Zone Layer کی فراہم کردہ حفاظتی چھتری ہے جس نے پورے کرہ ارض کو ڈھانپ رکھا ہے اور یوں سورج سے نکلنے والی تمام مضر شعاعوں کو زمین تک آنے سے روکنے کے لیے فلٹر کا کام کرتی ہے {ماحولیاتی سائنس کے ماہرین آج کل اس کے بارے میں بہت فکر مند ہیں کہ مختلف انسانی سرگرمیوں کی وجہ سے اسے نقصان پہنچ رہا ہے اور یہ بتدریج کمزور ہوتی جا رہی ہے}۔ اس کے ساتھ ہماری فضا {زمین کے اوپر کرہ ہوائی} بھی حفاظتی چھت کا کام دیتی ہے۔ خلا میں تیرنے والے چھوٹی بڑی جسامتوں کے بے شمار پتھر {یہ پتھر یا پتھر نما ٹھوس اجسام مختلف ستاروں یا سیاروں میں ہونے والی ٹوٹ پھوٹ کے نتیجے میں ہر وقت خلا میں بکھرے رہتے ہیں} جب کرہ ہوائی میں داخل ہوتے ہیں تو اپنی تیز رفتاری کے سبب ہوا کی رگڑ سے جل کر فضا میں ہی تحلیل ہو جاتے ہیں اور یوں زمین ان کے نقصانات سے محفوظ رہتی ہے۔"[42] یہاں اصل بات سمجھنے والی یہ ہے کہ جب سائنسی ماہرین کی رائے اور تجربات کو اتنی اہمیت دی جا رہی ہے تو قرآن کریم تو بالاولیٰ یہ حق رکھتا ہے کہ اس کی دی ہوئی تعلیمات کو سر خم تسلیم کیا جائے۔ غلام رسول سعیدیؒ (2016ء-1937ء) نے قرآن کریم کے اسی دعویٰ کو بنیاد بنا کر مخاطب کو دعوت دی ہے کہ جب قرآن کی ہر بات ناقابل تردید ہے تو پھر اس کی تعلیمات پر عمل کرنے میں ہی انسان کی دنیاوی و اخروی بھلائی کا سامان ہے وہ لکھتے ہیں: "کئی عشروں کے غور و خوض اور تحقیقات کے بعد ماہرین علم طبیعیات اور کائناتی فزکس کے ماہرین نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ کائنات کی تشکیل کو سب سے بہتر طور پر صرف "عظیم دھماکہ (Big-Bang theory) کے نظریئے

نے ہی بیان کیا ہے، یہ نظریہ دو سائنس دانوں مارٹن رائیل اور ایلن سینڈ یج نے دنیا کے سامنے پیش کیا تھا۔ اس نظریئے کی رو سے کائنات ایک ناقابل یقین کثیف دھوئیں دار نکتے یا مقام سے پھٹ کر وجود میں آگئی۔ "[43] مفسر نے اس نکتے کی مختلف صورتیں بھی بیان کی ہیں۔ جو انہوں نے سائنس دانوں کی تحقیق سے اخذ کی ہیں۔ تخلیق کائنات کی ان مختلف صورتوں سے اپنی بات کو اصل نکتے کی طرف لے کر جاتے ہیں اور وہ نکتہ اللہ وحدہ لاشریک کی واحدنیت اور انسان کے دوبارہ زندہ ہو کر بارگاہ الہیٰ پیش ہونا ہے، جیسا کہ وہ لکھتے ہیں: "آسمانوں اور زمین کا دھماکے سے علیحدہ ہونا {فتق} وقوع پذیر ہوا۔ اور ترتیب کے ٹوٹ جانے اور ابتدائی ترتیب دیئے گئے مخالف باہمی عمل (Symmetrical Interactions) کے علیحدہ {چاک} ہونے کی وجہ سے فزکس کے علم کے چار جانے پہچانے "مخالف باہمی عمل" پیدا ہوئے دوسرے لفظوں میں نہ صرف ابتدائی اکائی کائنات سے ٹوٹ کر علیحدہ ہوئی بلکہ اس کے قوانین کی علیحدہ پہچان بھی اس قسم کے عمل کی وجہ سے ظاہر ہوئی۔ "[44] مفسر نے توحید الہیٰ کو بیان کرنے کے بعد ملحدین کو بھی کڑی تنقید کا نشانہ بنایا ہے کیونکہ ان کے نزدیک کائنات کا سارا نظام افراتفری کا شکار ہے اور اس نظام کو منظم انداز میں چلانے والا کوئی نہیں جبکہ آج تو سائنس بھی اس حقیقت کو تسلیم کر رہی ہے۔، اس کے بعد لکھتے ہیں: "اگر عظیم منتظم {اللہ} کا وجود کائناتوں کو ہر وقت اور ہر مقام پر سنبھالے نہ ہوتا تو یہ پراگندہ ہو کر افراتفری کا شکار ہو جاتیں۔ اور یہ افراتفری ایک سیکنڈ کے ایک ارب ویں حصے کے وقت ہو جاتی۔ مگر اللہ کے قائم کردہ تناؤ چستی (ٹینشن) ہی کی وجہ سے کائنات کے ہر مقام پر ایک ناقابل یقین ترتیب اور ڈسپلین موجود ہے۔ "[45] اسی طرح سورہ حٰم سجدہ میں فرمایا: ثُمَّ اسْتَوٰی اِلَی السَّمَآءِ وَ هِیَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِیَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا قَالَتَآ اَتَیْنَا طَآئِعِیْنَ۔[46] (پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور وہ ایک دھواں تھا تو اس نے اس سے اور زمین سے کہا کہ آؤ خوشی یا ناخوشی سے۔ دونوں نے کہا ہم خوشی سے آگئے۔) جہاں قرآن نے تخلیق کائنات کا ذکر کیا ہے وہاں ساتھ اس بات کا بھی ذکر بار بار کیا کہ ایک دن (جس کا نام قیامت رکھا گیا ہے) دنیا کا سارا نظام لپیٹ دیا جائے گا اور تمام جن و انس کو زندہ ہو کر اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے حضور حاضر ہونا پڑے گا، جیسا کہ سورۃ الانبیاء میں فرمایا: یَوْمَ نَطْوِی السَّمَآءَ كَطَیِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِیْدُهٗ وَعْدًا عَلَیْنَا اِنَّا كُنَّا فٰعِلِیْنَ۔[47] (جس دن ہم آسمان کے کاتب کے کتابوں کو لپیٹنے کی طرح لپیٹ دیں گے۔ جس طرح ہم نے پہلی پیدائش کی ابتداء کی اسی طرح ہم اسے لوٹائیں گے۔) قرآن کریم کے اس دعوٰی کے مطابق یہ کائنات ہمیشہ ایسے نہیں رہے گی بلکہ یہ کائنات اپنے اختتام کی طرف گامزن ہے اور اس بات کا اعتراف سائنس دان بھی کر رہے ہیں۔ ان کا بھی یہی کہنا ہے کہ کائنات میں موجود اشیاء تباہی کی طرف گامزن ہیں اور یہ تباہی کسی وقت بھی ممکن ہے۔ یہ تباہی کائنات میں موجود مختلف سیاروں کے ٹکرانے سے بھی ہو سکتی ہے۔ سائنس کا یہ اعتراف روحانی حقیقت کو تسلیم کرنے پر مجبور کر دیتا ہے اور انسان کو روحانیت کی معراج پر پہنچاتا ہے۔ قرآن کریم نے وقوع قیامت، اور اس روز کی ہولناکیوں اور بشارتوں کا ذکر اس کثرت اور اس قطعیت کے ساتھ کیا ہے کہ مخاطب کے دل میں عقیدہ آخرت پوری طرح راسخ ہو جائے۔ جب انسان کے دل میں اللہ کی وحدانیّت کا اور آخرت پر ایمان کا عقیدہ سما جائے گا تو یقیناً وہ کامیابی کے قرآنی طریقوں کو اختیار کرنے کی بھرپور کوشش کرے گا تاکہ وہ روزِ قیامت اپنی ابدی زندگی پر سکون انداز میں گزار سکے، جیسے فرمایا: قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِیْعًا فَاِمَّا یَاْتِیَنَّكُمْ مِّنِّیْ هُدًی فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ۔ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ۔[48] (ہم نے کہا سب کے سب اس سے اتر جاؤ، پھر اگر تمہارے پاس

میری طرف سے کوئی ہدایت آجائے تو جس نے میری ہدایت کی پیروی کی سوان پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔اور جنھوں نے کفر اور ہماری آیات کو جھٹلایا یہ لوگ آگ والے ہیں،وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔)اس بات میں کوئی شک نہیں کہ نیکی کی جزااور بدی کی سزا دینا کلیتاً اللہ کے ہی اختیار میں ہے۔بھلائی پر انعام اور برائی پر سزا اس کا طبیعی نتیجہ نہیں بلکہ اللہ کے فضل سے مشروط ہے۔وہ حکیم بھی ہے، عادل بھی، سخت پکڑ کرنے والا اور غفور الرحیم بھی۔روحانیت اور حقیقت کی تفہیم کو جس قدر خوبصورت پیرائے میں قرآن نے بیان کیا کوئی اور کتاب بیان نہیں کرتی۔

خلاصۂ بحث

i۔بنیادی معلومات کے حصول کے لیے انسان کو حواس خمسہ عطاء کیے گئے ہیں جن میں سب سے اہم دیکھنے اور مشاہدہ کی حس ہے۔ii۔سائنسی اسلوب میں پہلی صورت مشاہدہ کی ہے دوسری تجربہ اور تیسری تجزیہ کی جیسے دعوت کے طریقہ کار میں قرآن نے اپنایا ہے۔iii۔کسی معاملہ کی تفہیم کے لیے اگر سائنسی اسلوب کی تینوں صورتیں مل جائیں تو حق الیقین ہو جاتا ہے۔iv۔حق الیقین کے ساتھ عمل کی سچائی، مضبوطی اور تسلسل حاصل ہوتا ہے جس سے کامیابی یقینی ہوتی ہے۔v۔کسی انسان کے ذہنی انتشار کو سچائی تک لانے کے لیے سائنسی اسلوب سے مزین دعوت اکسیر اور مفید ہے۔جس کے بعد تذبذب اور لغزش کی گنجائش نہیں رہتی۔vi۔ایمان والوں کے لیے بھی یہ اسلوب فائدہ دیتا ہے جس سے ان کا ایمان مضبوط سے مضبوط تر ہوتا رہتا ہے۔

References

[1] Dr. Zakar Naik, Qur'ān and Jadeed Science, Trans; Muhammad Zahid Malik (Lahore: Zubair Bublisher), 10.
[2] Al- Qur'ān, Al-Anbiyā 21:22.
[3] Abu Al 'Aalā Maodūdi, Tafheem al-Qur'ān (Lahore: Idara Tarjuman al- Qur'ān, 2011), 3:153.
[4] Abd Al-Majid Daryā Bādi, Tafseer-e-Majidi (Karachi: Majlis Nasheryat-e- Qur'ān,1998) 3:290.
[5] Abd-Al-Salam Ibn Muhammad, Tafseer Al- Qur'ān Al-Kareem, (Lahore: Dar-Al-Undlas,2010),2:715.
[6] Al-Isrā 17:42
[7] Abd-Al-Salam Bin Muhammad, Tafseer Al- Qur'ān Al-Kareem, 2:480.
[8] Abu Al 'Aalā Maodūdi, Tafheem Al-Qur'ān ,2:618, - Abd Al-Majid Daryā Bādi, Tafseer-e-Majidi, 3:290.
[9] Al-Ankaboot 29:20.
[10] Abu Al 'Aalā Maodūdi, Tafheem Al-Qur'ān ,3:689-690.
[11] Al-Waqeah 56:59.
[12] Abd-Al-Salam Bin Muhammad, Tafseer Al- Qur'ān Al-Kareem, 4:562.
[13] Abd-Al-Salam Bin Muhammad, Tafseer Al- Qur'ān Al-Kareem, 4:562.
[14]Abd-Al-Rahman Kilani, Taiseer al-Qur'ān (Lahore: Maktaba Al-Salam,2010),4:363.
[15]Al-Waqeah 56:62.
[16] Abu Al 'Aalā Maodūdi, Tafheem Al-Qur'ān ,5:287.
[17] Maodūdi, Tafheem Al-Qur'ān ,5:287, - Abd-Al-Rahman Kilani, Taiseer al-Qur'ān, 4:364
[18]Al-Waqeah 56:63-64.
[19]Muhammad Karam Shah, Tafseer Zia Al- Qur'ān, (Lahore: Zia Al- Qur'ān Publications,1995),5:97.

[20] Muhammad Karam Shah, Tafseer Zia Al- Qur'ān, 5:97.
[21] Al-Fajar 89:6-14.
[22] Maodūdi, Tafheem Al-Qur'ān ,6:328.
[23] Maodūdi, Tafheem Al-Qur'ān ,6:328.
[24] Maodūdi, Tafheem Al-Qur'ān ,6:328.
[25] Maodūdi, Tafheem Al-Qur'ān ,6:328.
[26] Maodūdi, Tafheem Al-Qur'ān ,6:328.
[27] Sultan Bashir Mahmood, Kitab-e-Zindgi, (Islama ābād: Research Foundation,2010), 69.
[28] Yunus 9:7-8.
[29] Maodūdi, Tafheem Al-Qur'ān ,2:266.
[30] Al-Barooj 85:12.
[31] Al-Room 30:9.
[32] Abd Al-Majid Daryā Bādi, Tafseer-e-Majidi, 5:239.
[33] Maodūdi, Tafheem Al-Qur'ān ,3:735.
[34] Al-Hajj 22:5.
[35] Dr. Asrar Ahmad, Tafseer Bian Al- Qur'ān, (Pashawar: Anjuman Khuddam Al-Qur'ān,2013),1:57.
[36] Al-Hajj 22:5.
[37] Muhammad Karam Shah, Tafseer Zia Al- Qur'ān, 3:200.
[38] Muhammad Karam Shah, Tafseer Zia Al- Qur'ān, 3:200.
[39] Al-Anbiyā 21:22.
[40] Maodūdi, Tafheem Al-Qur'ān ,3:735, - Dr. Asrar Ahmad, Tafseer Bian Al- Qur'ān, 5:81-82.
[41] Al-Anbiyā 21:30.
[42] Dr. Asrar Ahmad, Tafseer Bian Al- Qur'ān, 5:85.
[43] Ghulam Rasool Saeedi, Tafseer Tebyān Al- Qur'ān, (Lahore: Fareed Book Stal,2009), 7:550, - Dr. Asrar Ahmad, Tafseer Bian Al- Qur'ān, 5:84.
[44] Ghulam Rasool Saeedi, Tafseer Tebyān Al- Qur'ān, 7:551.
[45] Ghulam Rasool Saeedi, Tafseer Tebyān Al- Qur'ān, 7:553.
[46] Hameem Sajdah 41:11Hameem Sajdah 41:11.
[47] Al-Anbiyā 21:104.
[48] Al-Baqarah 2:38.